میرے درد کی دوا کرے کوئی!

مولانا محمد شفیع چترالی

یہ پشاور کا جلوزئی کیمپ ہے۔ یہاں قبائلی علاقوں درہ آدم خیل، مہمند، باجوڑ اور تیراہ وغیرہ میں گزشتہ کئی برسوں سے جاری فوجی کارروائیوں کے دوران بے گھر ہونے والے ہزاروں خاندان چھوٹے چھوٹے خیموں کے اندر کئی کئی مہینوں اور برسوں سے رہ رہے ہیں۔ یہاں تاحد نظر خیمے ہی خیمے نظر آتے ہیں اور ان خیمہ بستیوں کے درمیان کھلی جگہوں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر کھیلتے کودتے قبائلی بچے، جو ہر نو وارد کو حیرت واستعجاب کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

میں کچھ ساتھیوں کے ہمراہ جلوزئی کیمپ پہنچا، یہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم ائیر کنڈیشنڈ گاڑی سے اتر کر کیمپ کے اندر داخل ہوئے تو گرم لو کے تھپیڑوں نے ہمارا استقبال کیا۔ جون کے اواخر، دوپہر کا وقت اور پشاور کی گرمی ...... ہمیں یہاں آکر معلوم ہوا کہ موسم کی شدت کیا ہوتی ہے۔ ہم اندازہ کرسکتے تھے کہ اس خیمہ بستی کے اندر چھوٹے چھوٹے خیموں کے اندر بسے خاندانوں پر کیا بیت رہی ہوگی۔

گوکہ اس خیمہ بستی میں یونیسیف اور دیگر عالمی اداروں کی نگرانی میں متأثرین کے لیے تھوڑے بہت راشن، پانی، بجلی اور دوا دارو کے انتظامات موجود ہیں، مگر وسیع دالانوں والے اور کھلے گھروں میں رہنے والے قبائلی پختونوں کے لیے ان چھوٹے چھوٹے خیموں کے اندر پورے پورے خاندانوں سمیت رہنا کتنا مشکل، اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوگا، اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہوسکتا ہے جو قبائلی کلچر سے واقف ہو۔ ہمیں یہاں جو بھی شخص ملا، اس نے اسی بات کی شکایت کی کہ انہیں ایک ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جارہا ہے جس کے وہ عادی نہیں ہیں۔

ہم نے کندھے پر راشن کا تھوڑا سا سامان اٹھائے ایک قبائلی کو روک کر اس کی مشکلات کا پوچھا تو اس نے سامان نیچے رکھتے ہوئے پہلے تو ایک لمبا سانس لیا اور پھر گویا ہوا، بھائی! ہمارا سب کچھ لٹ گیا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ یہاں اس کیمپ میں ہمیں اپنے بچوں کے لیے تھوڑا سا راشن مل جاتا ہے، مگر ہم اس طرح مانگ کر کھانے کی زندگی کے تو عادی نہیں ہیں۔ ہم دوسروں کو کھلانا پسند کیا کرتے تھے۔ ہمیں اپنے

www.banuri.edu.pk

بھرے پرے گھر چھوڑنے پڑے ہیں۔ یہاں اس گرمی میں ہمیں ایک عذاب کا سامنا ہے، نجانے کب تک ہم اس طرح کسمپرسی میں رہیں گے۔ یہاں بچوں اور پردہ دار خواتین کے لیے رہنا بہت مشکل ہے۔ ہم نے مشترکہ عارضی بیت الخلاؤں اور غسل خانوں کے استعمال کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ آپ اربابِ اختیار تک ہمارا پیغام پہنچائیں کہ خدارا! وہ ہمیں جلد اپنے گھروں کو واپس جانے دیں۔ یہاں کی ذلت کی زندگی سے اپنے گھر کی موت اچھی ہے۔ یہ کہہ کر قبائلی کی آنکھیں بھرا گئیں اور ہم انہیں سوکھی تسلی دیتے ہوئے واپس ہوگئے۔

قارئین! یہ اس آئی ڈی پیز کیمپ کی کہانی ہے جو پہلے سے آباد ہے، جسے یونیسیف جیسے عالمی ادارے کی سرپرستی میسر ہے اور جہاں متأثرین کی تعداد بھی سنبھالے جانے کے قابل ہے۔ شمالی وزیرستان میں حالیہ دنوں شروع کیے گئے آپریشن ''ضرب عضب'' کے لاکھوں متأثرین کو بنوں، لکی مروت، ڈیرہ اسمٰعیل خان، ٹانک اور دیگر ملحقہ علاقوں میں ٹھہرایا گیا ہے، خیبر پختونخوا کے یہ جنوبی اضلاع گرمی اور حبس کے لحاظ سے پنجاب اور سندھ کے گرم ترین علاقوں سے کسی بھی درجے میں کم نہیں ہیں اور مصیبت یہ ہے کہ لاکھوں افراد کو مناسب پیشگی انتظامات کے بغیر ہی ان کے گھروں سے نکال کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

متأثرین کی رجسٹریشن، امداد اور بحالی کے سرکاری دعوے ایک طرف، زمینی صورت حال' میڈیا میں شائع اور نشر ہونے والی تفصیلات اور تصاویر سے بالکل عیاں ہے۔ روزنامہ ''اسلام'' کی تازہ رپورٹ کے مطابق شمالی وزیرستان سے بنوں نقل مکانی کرنے والے آئی ڈی پیز کی مشکلات رمضان میں کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گئی ہیں، ان کے لیے ۲ وقت کی روٹی کا حصول مشکل ہوگیا ہے۔ شمالی وزیرستان کے متأثرین کی بڑی تعداد خیبر پختونخوا کے ضلع بنوں میں موجود ہے جن میں سے بیشتر کرائے کے گھروں، رشتہ داروں کے ہاں یا پھر سرکاری اسکولوں میں رہائش پذیر ہیں، تاہم راشن کا حصول ان متأثرین کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف بن چکا ہے۔ دن میں راشن نہ مل سکا تو اب یہی متأثرین رات جاگ کر اشیاء خورد ونوش کے حصول کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ دن کو گرمی ہوتی ہے، رات کو مجبوراً نکلنا پڑتا ہے، روزے ہیں لیکن راشن نہیں ملتا۔ تقریباً ۲ ہفتے گزرنے کے باوجود آئی ڈی پیز کی مشکلات کم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔

بعض غیرسرکاری تنظیموں نے متأثرین کی مدد کے لیے اجازت نہ ملنے کے خلاف بنوں میں احتجاجی مظاہرہ بھی کیا۔ برطانوی نشریاتی ادارے نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے قبائلی علاقوں سے آنے والے اکثر لوگ مایوس اور ناخوش ہیں اور ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں جلد ان کے گھروں کو واپس جانے دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپریشن ضرب عضب کے متأثرین کا مسئلہ ایک بڑا قومی چیلنج بنتا جا رہا ہے اور

اگر اس سے نمٹنے کے لیے بروقت کوششیں نہ کی گئیں تو صورت حال قابو سے باہر ہو سکتی ہے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ:

وہ دہشت گرد بن جاتے ہیں جن کے گھر نہیں رہتے

قبائلی نفسیات سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ قبائلی لوگ بھوک، پیاس، دکھ، درد، زخم سب برداشت کر لیتے ہیں، لیکن بے عزتی و بے توقیری کے احساس کو وہ کبھی ہضم نہیں کرتے۔ قبائلی عوام کو عزت نفس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی، اس لیے جن قوتوں نے آپریشن کو ہی مسئلے کا آخری حل قرار دے کر قبائلی علاقوں میں چاند ماری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ اگر بے گھر ہونے والے قبائلی عوام کو سنبھالا نہ گیا، تو پھر ایک بڑا آپریشن ان بندوبستی علاقوں میں بھی کرنا پڑ سکتا ہے جہاں لاکھوں قبائلی مسلمان سخت گرمی اور رمضان کے مہینے میں آزمائشوں سے دوچار ہو کر صبر و ضبط کے بندھنوں کو ٹوٹنے سے بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

قبائلی علاقوں میں عین رمضان کے آغاز پر نئے آپریشن کے آغاز کا کوئی جواز تھا یا نہیں؟ یہ سوال تو شاید اب بعد از وقت ہوگا، تاہم دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ حلقے جو دن رات حکومت اور فوج کو آپریشن کے لیے اکسا رہے تھے، وہ آپریشن کے متاثرین کی امداد اور بحالی کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ مغربی اور مقامی این جی اوز، نام نہاد سول سوسائٹی کے وہ ارکان کہاں ہیں جو انسانیت کی خدمت کے نام پر پورے ملک میں دھما چوکڑی مچائے رکھتے ہیں۔ ان صحافیوں، اینکرز اور کالم نگاروں کا بھی کچھ پتا ہے جو صبح شام حکومت اور فوج کو قبائلی علاقوں میں آپریشن کرنے کی ہلاشیری دے رہے تھے؟ وہ لبرل اور سیکولر سیاسی جماعتیں کہاں کھڑی ہیں جو قبائلی علاقوں میں آپریشن شروع نہ کرنے پر حکومت کو تنقید کا نشانہ بنا رہی تھیں؟ کیا وجہ ہے کہ متاثرین کی امداد کے لیے اگر کہیں کچھ چلت پھرت نظر آتی ہے تو ان چند ڈاڑھی اور پگڑی والے افراد اور دینی رفاہی اداروں کے کارکنوں کی نظر آتی ہے جن کو دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دیا جاتا ہے، جن پر پابندیاں لگا دی جاتی ہیں، جن کے اثاثے منجمد کیے جاتے ہیں۔

مگر یہ موقع تلخ باتیں اور شکوہ شکایتیں کرنے کا نہیں، قبائلی عوام امداد کے منتظر ہیں، ان کی ایک ہی پکار ہے کہ:

ابن مریم ہوا کرے کوئی
مرے درد کی دوا کرے کوئی

اس لیے ہمیں آگے بڑھ کر ان متاثرین کی مدد کرنی چاہیے۔

☆☆☆